امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

فقہ حنفی کے مجدّد

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے

فقہی مقام و مسلک پر ایک پُر مغز اور حقیقت آشکار تحریر

از

مولانا اختر امام عادل
سمستی پور، بہار، انڈیا

''حضرت الامام شاہ ولی اللہ الدہلویؒ'' تیرہویں صدی کی ان نابغۂ روزگار ہستیوں میں سے ہیں جنھوں نے ہندوستان کی اسلامی علمی تاریخ کو سب سے زیادہ متاثر کیا، آپ نے ایک نئے عہد اور نئے دور کی بنیاد ڈالی، اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ کو نئی علمی اور عقلی بنیادوں پر تعمیر کیا، اسلامی ہند کے زوال سے لے کر سقوط تک بلکہ آج کی تاریخ تک جو کچھ علمی و دینی سرگرمیاں نظر آرہی ہیں سب اسی خانوادۂ ولی اللہی کا فیض ہے، جزاھم اللہ عنا احسن الجزاء۔

شاہ صاحب کی تجدیدی مسائل کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور اس ایک شخص نے تنہا اتنے کام کیے ہیں کہ ان کو سمیٹنے اور مرتب کرنے کے لیے بھی مستقل ایک اکیڈمی کی ضرورت ہے۔

یوں تو شاہ صاحب کا ہر کارنامہ اپنی جگہ بہت اہم ہے، لیکن ان کے کارناموں میں بہت ہی اہم اور مشکل ترین کارنامہ فقہ و اجتہاد کے میدان میں ان کی تجدیدی مسائل کا ہے۔ شاہ صاحب جس دور میں پیدا ہوئے وہ تقلیدی اور فقہی تاریخ کے انتہائی انتشار اور زوال کا دور تھا، حالانکہ کچھ ہی دنوں قبل حضرت عالمگیر اورنگ زیب نے ایک مجلس فقہی قائم کر کے ''فتاویٰ ہندیہ'' (اور بالفاظ دیگر ''اسلامی ہند کے تحریری اسلامی دستور'') کی تدوین کرائی تھی، جس میں حضرت شاہ صاحب کے والد ماجد اور شیخ و مربی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ بھی شریک رہ چکے تھے۔

(حیات ولی ص ۔ ۷۷، مرتبہ ابو محمد رحیم بخش)

شاہ صاحب کے عہد کے بعض حالات:

لیکن صدیوں کا علمی و فکری جمود ایک عالمگیر کی چند روزہ کوششوں سے نہیں ٹوٹ سکتا تھا، اس کو توڑنے کے لیے کسی عظیم مجدد کے تیشۂ تجدید کی ضرورت تھی، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

نے اپنی کتاب ''تذکرۂ حضرت شاہ ولی اللہؒ'' میں اس دور کے بعض حالات کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کو پڑھ کر آج بھی احساسات میں جھرجھری پیدا ہو جاتی ہے۔ لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ پچھلی صدیوں میں بعض خاص حالات خصوصاً اسلام کے اصلی سرچشموں یعنی قرآن و حدیث کی تعلیم سے اسلامی مدارس جس حد تک بیگانے ہوتے چلے گئے، بتدریج یہ اختلاف بہت غلط صورت اختیار کرتا چلا جاتا تھا، خصوصاً ماوراء النہر (ترکستان و خراسان) کے حنفی فقہاء کا غلو اس باب میں آہستہ آہستہ بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ اور ہندوستان میں وطن بنانے کے لیے اسلام جس راستہ سے آیا چونکہ وہ انہیں ممالک کا راستہ تھا، اس لیے قدرتاً ہندوستانی مسلمانوں کی ذہنیت ان ہی ممالک کے علماء کی ذہنیت سے متاثر تھی، پھر نادری اور ابدالی حملوں نے جب اس ملک میں روہیلوں کے جدید عنصر کا اضافہ کر دیا تو تشدد و تعصب کی یہ شرارت دو آتشہ ہو چکی تھی۔'' (ص ۲۳۱)

علامہ محسن بہاری اترہتی صاحبِ ''الیانع الجنی'' نے ان کا یہ نقشہ کھینچا ہے:

''وكانوا اشدَّ قوم عَصَبِيَّةً لِمَا يتخلونهُ من آراء فقهائهم رحمهم الله واشدَّ الناسِ جمودًا عليها''

یعنی جن فقہاء کی پیروی کو ان لوگوں نے اپنا مشرب اور مسلک قرار دیا تھا، ان کے معاملے میں اپنے اندر سخت تعصب رکھتے تھے اور اس پر شدت سے جمے رہتے تھے۔

کیدانی جیسی معمولی کتاب کی ایک فقہی روایت (یعنی چاہیے کہ تشہد میں اہل حدیث کے مانند شہادت کی انگلی نمازی نہ اٹھائے) کو صدیوں یہ اہمیت حاصل رہی کہ اگر اتفاقاً نماز میں کسی کی انگلی اٹھ گئی تو اسی وقت اس کی انگلی تراش دی جاتی تھی، علامہ رشید رضا مصری نے ''مغنی'' کے مقدمے میں اپنا یہ بیان درج کیا ہے کہ

''میں نے اپنے کان سے بعض افغانی طلبہ سے لاہور کی جامع مسجد میں جو ہندوستان میں واقع ہے، یہ سنا ہے میں نے دراصل ان سے یہ دریافت کیا تھا کہ (انگلی تراشنے کا قصہ) کیا صحیح ہے؟ اس کے جواب میں انھوں نے کہا، ہاں! اور اس کی توجیہ یہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور ترک سنت کی یہی سزا دی جاتی ہے۔''

تمباکو جیسی غیر منصوص چیز کی حرمت و حلت پر جو جھگڑا سنا جاتا ہے پچھلے چند سالوں تک یہ قصہ ختم نہیں ہوا تھا۔ بیچارے کو نہ ملا نے تمباکو کی حلت کا فتویٰ دے دیا تھا، پھر کیا تھا مختلف جرگوں کے

مجاہد دینی حمیت وغیرت کے نشہ میں چوراپنے ملانوں کے زیر کمان باضابطہ مسلح ہو کر کونڈ ملا پر چڑھ دوڑے، راستہ میں اس دینی جہاد کی مہم پر جو رجز پڑھا جاتا تھا، میرے ایک دوست نے ہم سے یہ بیان کیا تھا کہ وہ یہ تھا:

''کونڈ ملا کا پردی جو ساک شدہ ہم کا پڑنے''

''یعنی کونڈ ملا کافر ہے اور جو اس کے ساتھ ہے وہ بھی کافر ہے''

میرے ایک اور سرحدی ہم سبق کہتے ہیں کہ تمباکو کی حرمت کے جو لوگ قائل تھے ان کا تشدد اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ جس کھیت میں تمباکو بو یا جائے اس کھیت کے اطراف سے بیلوں پر غلہ لاد کر جو کوئی گذرے گا اس کا غلہ بھی حرام ہو جائے گا۔ (تذکرۂ حضرت شاہ ولی اللہ، ص: ۱۸۹)

الیانع الجنی کے مولف نے حضرت شاہ صاحب کے زمانہ کے حنفی روہیلوں کی ''حنفیت صلبہ'' یا ''سنگین ملایانہ حنفیت'' کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے کہ:

''ان کا حال یہ تھا کہ جب ان کے کان میں کوئی ایسی بات پہونچتی جو ان کے اس تقلیدی امر کے خلاف ہوتی جسے کل وہ اچھا سمجھتے تھے تو خواہ کوئی ہوتا اس پر یہ چڑھ بیٹھتے، جس کے منہ سے ایسی مخالف بات نکلی ہوتی، غصہ سے اس کے مقابلے میں بھر جاتا، اس کی گردن کی رگیں پھول جاتیں، اس کے رخسارے سرخ ہو جاتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ جھاؤ کی لکڑی کے انگارے ہیں۔'' (ص ۸۳)

ہندوستان میں رہ پڑنے کے بعد اگر چہ اب ان کی پچھلی نسلوں میں وہ کرختگی اور تعصب تو باقی نہیں رہا، لیکن جو ابتک ان ہی پتھریلے کوہستانوں میں رہتے ہیں ان کی دینی سختی کا حال جیسا کہ سید رشید رضا مصری نے لکھا ہے وہی ہے، لکھتے ہیں:

''ان کی سختیوں کی داستانوں میں ایک قصہ یہ ہے جو بعض افغانی حنفیوں کے متعلق سنا جاتا ہے کہ اس نے جماعت میں اپنے برابر والے کو دیکھا کہ وہ سورۂ فاتحہ (امام کے پیچھے) پڑھ رہا ہے، تو اس افغانی نے اس بیچارے فاتحہ پڑھنے والے کے سینے پر اس زور سے دو ہتڑ مارا کہ وہ بیچارہ پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑا، اور قریب تھا کہ مر جاتا، اور مجھے یہ خبر ملی ہے کہ ایسے ہی ایک شخص نے تشہد کی انگلی نماز میں اٹھائی تو بعض افغانوں نے اس کی انگلی توڑ دی۔ (مقدمہ مغنی، ص ۱۶)

خود حضرت شاہ ولی اللہ (جنھوں نے رد شیعیت پر ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین جیسی کتابیں

تحریر فرمائیں) بھی ان کے ناوک تعصب سے محفوظ نہ رہ سکے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بیان فرماتے ہیں:

"شخصے از والد ماجد مسئلہ تکفیر شیعی پرسید، آنحضرت اختلاف حنفیہ کہ دریں باب است، بیان کردند چوں مکرر پرسید ہماں شنید، شنیدم می گفت ایں شیعی است"

ترجمہ: یعنی ایک شخص نے والد ماجد سے شیعوں کی تکفیر کے متعلق سوال کیا، فقہاء حنفیہ کا اس باب میں جو اختلاف ہے والد ماجد نے اس کو بیان فرمایا۔ غریب "روہیلہ" پہلی دفعہ تو یہ سن کر چپ رہا اور پھر دہرا کر ذرا اصرار سے اپنے منشاء کو ظاہر کرتے ہوئے جب اس نے دوبارہ یہی بات پوچھی تو جواب میں پھر وہی سنا، دوسری دفعہ اس کا یہ سننا تھا کہ آگ بگولا ہو گیا، جن کو وہ قطعی کافر سمجھتا تھا ان کے کفر کے متعلق اختلاف سننا اور دوبارہ پوچھنے کے بعد بھی یہی سننا ناقابل برداشت ہو گیا، حضرت سے فتویٰ پوچھتے پوچھتے الٹ کر وہ خود مفتی بن بیٹھا، شاہ صاحب فرماتے ہیں، میں نے سنا وہ کہتا تھا کہ یہ (یعنی شاہ ولی اللہ) شیعی ہے۔ (تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ ص ۱۹۲)

حضرت شاہ صاحب نے "الانصاف" اور "حجۃ اللہ" میں اپنے دور کے فقہاء کی جو تصویر کشی کی ہے اس سے بھی اس دور کے فقہی جمود اور غالیانہ تعصب کا اندازہ ہوتا ہے، عربی عبارتوں سے مضمون کو گرانبار اور طویل کرنے کے بجائے ترجمہ ومفہوم پر اکتفا کرتا ہوں۔

"الانصاف" میں رقمطراز ہیں:

"اس زمانہ میں فقیہ اس شخص کا نام ہے، جو باتونی ہو، زور زور سے ایک جزئے کو دوسرے جزئے پر پٹکتا ہو، جو فقہاء کے اقوال قوی ہوں یا ضعیف سب کو یاد کرکے بغیر اس امتیاز کے کہ ان میں سے کس میں قوت ہے اور کس میں نہیں ہے وہ انہیں اپنے جبڑوں کے زور سے بیان کرتا رہے۔" (ص ۹۳)

اسی گروہ کے متعلق ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:

"ان کی بے تمیزیوں اور جہالت کا حال یہ ہے کہ طویل وضخیم کتب فتاویٰ میں جتنے اقوال و مسائل ہیں سب کو امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا قول سمجھتے ہیں، وہ ان اقوال میں تمیز نہیں کرتے کہ فلاں قول ان ائمہ کا واقعی قول ہے اور فلاں قول ان کی رایوں اور فتووں کو سامنے رکھ کر بعد میں مستنبط کیا گیا ہے اور یہ جو ان کتابوں میں علی تخریج الکرخی کذا اور علی تخریج الطحاوی کذا کے الفاظ آیا کرتے ہیں، ان کو وہ گویا بے معنی سمجھتے ہیں، اسی طرح وہ

ابو حنیفۃ کذا (اور امام ابوحنیفہ نے یوں فرمایا ہے،اور جواب المسئلۃ علی مذھب ابی حنیفۃ کذا (امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق مسئلہ کا جواب یوں ہے) کے درمیان وہ کوئی فرق و امتیاز نہیں کرتے،اور ابن الہمام وغیرہ محققین حنفیہ کا مسئلہ دودرہ داور مسئلہ شرط تیمم اور ایسے دوسرے مسائل کے بارے میں یہ فرمانا کہ دراصل یہ امام ابوحنیفہ کا قول نہیں ہے بلکہ بعد والوں کی تخریجات ہیں ان کے نزدیک بالکل ناقابل اعتناء ہے۔(ص ۸۶)

بلکہ بہت سے لوگوں نے تو عزت و دولت، یا عہدۂ و منصب کے حصول کے لیے فقہ اور فتاویٰ کا شغل اختیار کر رکھا تھا۔

فاصبح الفقھاء بعد ما کانوا مطلوبین طالبین وبعد ان کانوا اعزۃ بالاعراض عن السلاطین اذلۃ بالاقبال علیھم (ص ۸۱)

''یعنی پھر یہ ہوا کہ یہ فقہاء پہلے مطلوب تھے اور اب طالب بن گئے،اور سلاطین سے دور رہنے کے باعث جو عزت ان کو حاصل تھی ان سے تعلق کی بنا پر وہ جاتی رہی۔''

یہ حالات تھے جن میں شاہ صاحب نے اپنی فقہی اور اجتہادی خدمات کا آغاز کیا،اجتہاد کا مفہوم واضح کیا،اس کے لیے ضروری شرائط اور دائرۂ کار کی تحدید فرمائی،قرآن و حدیث سے مسائل کے اخذ و استنباط پر روشنی ڈالی،تقلید کی حقیقت سے بحث کی اور اس کے بارے میں نقطۂ عدل پیش فرمایا،فقہاء کے اختلافات کے اسباب اور ان کی شرعی حیثیت کو منقح کیا،اور مختلف ابواب فقہیہ میں پیدا شدہ شدتوں کو کم کرنے کی سعی بلیغ فرمائی وغیرہ۔

ایسا نہیں تھا کہ شاہ صاحب نے اسلاف سے ہٹ کر کوئی نئی بات پیش فرمادی تھی،باتیں وہی تھیں مگر تجزیہ و ترتیب نئی تھی،حقائق وہی تھے جو سابقہ فقہاء،اور علماء نے بیان کیے تھے بس انھوں نے ان پر پڑے ہوئے پردے کو ہٹا دیا تھا،اسی لیے شاہ صاحب نے اس تعلق سے کوئی بات محض اپنے طور پر پیش نہیں کی ہے،بلکہ اس کو قرآن و حدیث اور تحقیقات سلف سے مبرہن کیا ہے،اور ایسے معقول،جدید ترین اور سائنٹفک انداز میں پیش کیا ہے کہ بڑے سے بڑے مدعیان علم و تحقیق کے لیے ان کا انکار کرنا مشکل ہے۔

شاہ صاحب کا فقہی مسلک اور مقام

شاہ صاحب کی فقہی خدمات پر نظر ڈالنے سے پہلے ضروری ہے کہ شاہ صاحب کے مسلک اور

مقام کو سمجھ لیا جائے، تا کہ ان کی خدمات اور کارناموں کی حقیقی نوعیت اور صحیح حیثیت کا تعین آسان ہو۔

حضرت شاہ صاحب کی شخصیت اس قدر ہمہ جہت اور آپ کی تحریرات اتنی متنوع ہیں کہ ان کے مسلک کا تعین حد درجہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان کے مختلف اصحاب مسالک ان کو اپنا ہمنوا اور ہم مسلک ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور ہر ایک کی تائید میں کچھ نہ کچھ عبارات اور اقتباسات مل ہی جاتی ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں نے ''اتحاف النبلا'' میں لکھا ہے:

''اگر وجود او در صدر اول در زمانہ ماضی می بود امام الائمہ و تاج المجتہدین شمردہ می شد۔''
(ظفر المحصلین ص ۵۸)

ترجمہ: اگر شاہ صاحب کا وجود گزشتہ زمانے میں صدر اول میں ہوتا تو مجتہدوں کے پیشوا اور سرتاج مانے جاتے اور امام الائمہ کا گرانقدر خطاب پاتے''

مشہور مورخ علامہ عبدالحئی لکھنوی نے بھی اپنی کتاب ''نزہۃ الخواطر'' میں شاہ صاحب کو ''امام الائمہ'' اور '' آخر المجتہدین'' قرار دیا ہے۔(الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام، ج ۶ ص ۴۱۰)

اور بڑے بڑے معاصر اور اکابر کے خیالات شاہ صاحب کے مناقب میں پیش کیے ہیں۔

شاہ صاحب کے بارے میں مجتہد منتسب کی رائے

ان کے علاوہ اور بھی کئی حضرات نے شاہ صاحب کو مجتہد اور امام وغیرہ کے القاب سے یاد کیا ہے، اگر چہ اس تعبیر کا ہمارے عرف میں خاص اصطلاحی مجتہد کے ہم معنی ہونا ضروری نہیں، بلکہ ہر ایسے شخص کے لیے اس کا اطلاق کیا جاتا ہے، جو عہد ساز اور انقلابی کارنامہ انجام دے، اور جو علمی و فکری طور پر امت کے ایک بڑے طبقے پر اثر انداز ہو، مگر یہاں شاہ صاحب کو بعض حضرات نے فقہی اصطلاح میں بھی مجتہد تسلیم کیا ہے، اور ان کی خدمات علمیہ کو اسی نگاہ سے دیکھا ہے، شاہ صاحب کی شاہکار تصنیف ''المسوی شرح الموطا'' دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، سے چھپی ہے، اس پر علما کی ایک جماعت نے کام کیا ہے۔ ابتداء کتاب میں شاہ صاحب کی شخصیت اور کتاب کے تعارف پر مختصر تمہیدی تحریر ہے، اس میں شاہ صاحب کو مجتہد مطلق منتسب قرار دیا گیا ہے، البتہ اس انتساب کو کسی ایک مذہب سے جوڑنے کے بجائے مذہب حنفی اور شافعی دونوں سے جوڑا گیا ہے، اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کے دائرۂ تدریس میں دونوں مذاہب شامل

از یں متعدد امور میں شاہ صاحب نے ائمہ مجتہدین کی فقہی آراء کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔

کان آیة من آیات الله تعالیٰ اماماً فی علوم الدین بلغ رتبة المجتهد المطلق المنتسب فی المذهب الحنفی والشافعی فکان یدرس المذهبین وکان یضاهی الائمة المستقلین بالاجتهاد فی بعض شؤونهم ۔ (ص:۸)

اس تصور کی اصل بنیاد شاہ صاحب کی وہ عبارات ہیں ——— جن میں انھوں نے اپنے طرز فکر کو ان فقہاء و محدثین کے طرز فکر اور طریقۂ اجتہاد سے وابستہ کیا ہے اور اس کو اپنے لیے پسندیدہ راہ عمل قرار دیا ہے، جنھوں نے ذخیرۂ احادیث اور اقوال فقہاء دونوں کو اپنے پیش نظر رکھا اور قرآن و حدیث کو اساس قرار دے کر اقوال فقہیہ کو ان پر پیش کیا۔ مثلاً ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں اہل الحدیث اور اہل الرائے دونوں طبقات کے نقطہائے نظر اور طریقۂ کار پر مبسوط علمی تبصرہ کرنے کے بعد فیصلہ کن طور پر تحریر فرماتے ہیں کہ ایک معتدل اور محقق فقیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں نقطۂ نظر کے درمیان تطبیق کا راستہ اختیار کرے اور دونوں طرز فکر اور منہج استنباط سے استفادہ کرے۔

وانما کان الامر کذلک وجب علی الخائض فی الفقه ان یکون متضلعًا من کلا المشربین و متبحّرا فی کلا المذهبین وکان احسن شعائر الملة ما اجمع علیه جمهور الرواة و حملة العلم و تطابق فیه الطریقتان جمیعا والله اعلم (حجۃ اللہ البالغہ ص:۱۴۷، مطبوعہ دیوبند)

''الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف'' میں تحریر فرماتے ہیں:

بعد ملاحظۂ کتب مذاہب اربعہ و اصول فقہ ایشاں و احادیثے کہ متمسک ایشاں است قرار داد خاطر بمدد نور غیبی روش فقہاء محدثین افتاد بعد ازاں شوق زیارت حرمین محترمین در سر افتاد۔ (الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف مشمولہ انفاس العارفین مطبع مجتبائی، ص ۲۰۳، ۲۰۴)

ترجمہ: مذاہب اربعہ اور ان کے اصول فقہ کی کتابوں کے مطالعہ اور جن احادیث سے وہ استدلال کرتے ہیں ان پر غور و فکر کرنے کے بعد طبیعت کو فقہاء و محدثین کی روش پسندیدہ معلوم ہوئی، اس میں نور غیبی کی مدد بھی شامل تھی۔ اس کے بعد حرمین محترمین کی زیارت کا شوق دامن گیر ہوا۔

اپنے فارسی وصیت نامے میں تحریر فرماتے ہیں:

''در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و دائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن'' (ص ۳، بحوالہ تاریخ دعوت و عزیمت، ج ۵، ص ۲۰۲)

ترجمہ: فروعی مسائل میں ایسے علماء محدثین کی پیروی کرنی چاہیے، جو فقہ وحدیث دونوں کے عالم ہوں اور مسائل فقہیہ کو ہمیشہ کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرنا چاہیے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

"امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغناء حاصل نیست" (ص: ۳)

ترجمہ: امت کے لیے قیاسی مسائل کا کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقابل کرتے رہنا ضروری ہے، اس سے کبھی بے نیازی نہیں ہوسکتی۔

دوسری طرف شاہ صاحب نے "عقد الجید فی احکام الاجتهاد والتقلید" میں مجتہد مطلق منتسب کی تعریف، شرائط اور اس کے کاموں پر جو گفتگو کی ہے، اس کا حاصل گفتگو خود انہی کی زبان میں یہ ہے۔

وحاصل كل ذلك انه جامع بين علم الحديث والفقه المروى عن اصحابه واصول الفقه كحال كبار العلماء من الشافعية ... وحاصل صنيعهم علىٰ ما استقرينا من كلامهم ان تعرض المسائل المنقولة عن مالك و الشافعى وابى حنيفة والثورى وغيرهم رضى الله عنهم من المجتهدين المقبولة مذاهبهم وفتاواهم علىٰ موطا مالك والصحيحين ثم علىٰ احاديث الترمذى وابى داؤد فاىّ مسئلة وافقتها السنة نصًّا او اشارة اخذوا بها و عوّلوا عليها واى مسئلة خالفتها السنة مخالفة صريحة ردّها وتركوا العمل بها واى مسئلة اختلفت فيها الاحاديث والآثار احتهدوا فى تطبيق بعضها ببعض . (ص ۳۰ مطبوعہ ترکی)

ترجمہ: ان سب کا حاصل یہ ہے کہ مجتہد مطلق منتسب علم حدیث، علم فقہ (جو کہ اصحاب فقہ سے منقول ہو) اور علم اصول فقہ کا جامع ہو، جیسا کہ اکابر علماء شافعیہ کا حال ہے... ان کے طرز عمل کا حاصل (ہمارے استقراء کے مطابق) یہ ہے کہ فقہاء (امام مالک، شافعی، ابوحنیفہ، ثوری وغیرہ مجتہدین جن کے مذاہب نے امت میں قبول عام حاصل کیا) سے منقول مسائل اور فتاویٰ کو موطا امام مالک، بخاری، مسلم، ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ کی احادیث پر پیش کرے، جو مسئلہ حدیث کے موافق ہو صراحتاً یا اشارۃً، اس کو قبول کرے اور جو صراحتاً مخالف ہو اس کو رد کردے اور اس پر عمل نہ کرے، اور جس مسئلے میں احادیث وآثار کا اختلاف ہو ان میں اجتہاد سے تطبیق دینے کی کوشش کرے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ سنن بیہقی، معالم السنن، اور شرح السنۃ للبغوی اس طرز تحقیق و اجتہاد کی بہترین مثالیں ہیں، پھر فرماتے ہیں:

فهذه طريقة المحققين من فقهاء المحدثين وقليل ماهم وهم غير الظاهرية من اهل الحديث الذين لا يقولون بالقياس ولا الاجماع وغير المتقدمين من اصحاب الحديث ممن لم يلتفتوا الى اقوال المجتهدين اصلاً ولكنهم اشبه الناس باصحاب الحديث لانهم صنعوا في اقوال المجتهدين ما صنع اولئك في مسائل الصحابه والتابعين. (ص ۳۰)

ترجمہ: یہ محققین فقہاء محدثین کا طریقہ ہے، مگر ان کی تعداد بہت کم ہے، یہ اہل حدیث کے اصحاب ظواہر نہیں ہیں، جو قیاس اور اجماع کے قائل نہیں اور نہ متقدمین محدثین کا طرز ان سے میل کھاتا ہے، جو مجتہدین کے اقوال کو قابل اعتناء ہی نہیں سمجھتے، البتہ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ان کا رویہ محدثین سے قریب تر ہے، اس لیے کہ ان حضرات نے اقوال مجتہدین کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو ان حضرات محدثین نے صحابہ اور تابعین کے مسائل کے ساتھ کیا۔

غالباً انہی تحریرات کے آئینے میں شاہ صاحب کے بارے میں مذکورہ تصور قائم کیا گیا، چنانچہ مذکورہ تصور کے بعض حاملین نے شاہ صاحب کے مذکورہ طرز تحقیق کا حوالہ بھی دیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نظریے کے پیچھے شاہ صاحب کی یہی تحریرات کارفرما ہیں، علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رقمطراز ہیں:

وخاض في بحار المذاهب الاربعة واصول فقههم خوضاً بليغاً ونظر في الاحاديث التي هي متمسكاتهم في الاحكام وارتضى من بينها بامداد النور الغيبي طريق الفقهاء المحدثين. (الاعلام بمن في تاريخ الهند من الاعلام، ج ٦، ص ٣١١، مطبوعہ رائے بریلی)

یعنی شاہ صاحب نے مذاہب اربعہ اور ان کے اصول فقہ کا گہرا مطالعہ کیا اور احکام سے متعلق ان کی مستدل احادیث کا جائزہ لیا اور نورِ غیبی کی مدد سے فقہاء محدثین کا طریق اختیار کیا۔

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

والهمه الجمع بين الفقه والحديث (ج ٦، ص ۴۱۵)

ترجمہ: اللہ نے فقہ و حدیث کو جمع کرنے کی بات ان کے دل میں ڈالی۔

المسوی شرح الموطا پر کام کرنے والی جماعت نے شاہ صاحب کے مسلک پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے: مسلکہٗ هو التوسط والاعتدال والجمع بين صحيح المنقول والمعقول و بين طريقة الفقهاء والمحدثين (کتب المسوی شرح الموطا ص ۸)

یعنی شاہ صاحب کا مسلک توسط اور اعتدال، منقول اور معقول، اور طریق فقہاء اور طریق محدثین کی جامعیت تھی۔

حیات ولی کے مصنف نے حضرت شاہ صاحب کے مسلک سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے، لیکن ایک مقام پر ایک خاص مناسبت سے شاہ صاحب کے مسلک کا ذکر آ گیا ہے تو وہی ''جزء اللطیف'' کی عبارت کے حوالے سے شاہ صاحب کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ

انجام کار نور غیبی کی تائید سے مجھے فقہا محدثین کی روش بھلی معلوم ہوئی اور انہیں کے مسلک کو میں نے اختیار کر لیا (حیات ولی ص ۴۳۲)

لیکن اس رائے کو تسلیم کرنے میں کئی مشکلات ہیں۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ اس طبقہ کے افراد تاریخ اسلامی میں بہت نادر الوجود ہیں۔ اس منصب کے اطلاق کے لیے فقہ و اصول فقہ اور فتاویٰ کے میدان میں بے مثال اور وسیع خدمات کی ضرورت ہے، شاہ صاحب کی خدمات علمیہ کا دائرہ متنوع اور بے مثال سہی، اسی طرح ان کے یہاں جو شان تجدید اور عبقریت پائی جاتی ہے، اس کی انفرادیت اور امتیاز بھی مسلم ہے، لیکن اس کے باوجود خاص فقہ و اصول فقہ اور فتاویٰ کے میدان میں شاہ صاحب کا کام انتہائی مختصر اور اصولی حیثیت کا ہے۔ وہ اتنا مفصل، وسیع اور عمیق نہیں ہے، کہ اس عظیم الشان منصب کا اطلاق اس پر ہو سکے شاہ صاحب کو اس عہدہ کی عظمت اور نزاکت کا پورا احساس ہے اور شاہ صاحب اس حقیقت سے بھی پوری طرح آشنا ہیں کہ اس مقام کا اطلاق بہت کم لوگوں پر ہو سکا ہے، شاہ صاحب نے مثال میں کبار علماء شافعیہ کا ذکر کیا ہے، اور پھر تحریر فرماتے ہیں:

وهم و ان كانوا كثيرين فى انفسهم لكنهم اقلون بالنظر الى المنازل الأخرى
(عقد الجید ص: ۴۰)

ترجمہ: اس طبقہ کے افراد اگر چہ بطور خود بہت ہوں، لیکن دیگر امور پر نظر کی جائے تو ان کی تعداد بہت کم ہے۔

ایک اور مقام پر اس بحث کے آخر میں بیہقی اور بغوی جیسے فقہا محدثین کا تذکرہ کرتے

ہوئے لکھتے ہیں۔ وقلیل ماھم (ص ۲۰) یعنی اس طرز فکر کے حامل اس سطح کے محققین فقہاء محدثین بہت کم یاب ہیں۔

شاہ صاحب کا بار بار یہ احساس دلانا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ اس عہدہ کو بہت محتاط اور نازک محسوس کرتے ہیں اور اپنے بارے میں اس تعلق سے کسی استحقاق کا احساس نہیں رکھتے، ان کے یہاں خواہ مخواہ کا تکلف یا تواضع نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے بڑی صفائی کے ساتھ اپنے بارے میں بھی اظہار خیال کیا ہے، اور اپنے کاموں کی حیثیت بھی واضح کی ہے، (جس کو بلاشبہ تحدیث نعمت ہی کہا جا سکتا ہے) چند نمونے ملاحظہ ہوں:

تفہیمات میں تحریر فرماتے ہیں:

☆ جب میرا دورۂ حکمت یعنی علم اسرار دین پورا ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے خلعت مجددیت پہنائی، پس میں نے اختلافی مسائل میں جمع و تطبیق کو معلوم کر لیا۔

☆ مجھے خدا نے یہ شرف بخشا ہے کہ میں اس زمانہ کا مجدد، وصی، اور قطب ہوں، اگر خدا نے چاہا تو میری کوششوں سے مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جائے گی۔ (بحوالہ ظفر المحصلین ص ۵۷)

''مجدد'' کے منصب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ شریعت کے قوانین کی توجیہ و تفسیر کتاب و سنت کے مطابق کرے، اور اس میں قیاس کو ہرگز داخل نہ ہونے دے، تعلیمات و نظریات کو پیش کرتے وقت صحابہ و تابعین کے اعمال و افعال کو سامنے رکھے۔

وصی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے ان قوانین کو جو بتاتے ہیں کہ حرام کیا ہے اور حلال کیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور ان کے ارشادات کی روشنی میں ترتیب دے۔

قطب وہ ہے جو خدا کی مرضی کو موجودہ حالات و ضروریات میں بنی نوع انسان پر ظاہر کر دے، چند اور اقتباسات ملاحظہ ہوں:

☆ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے خاص احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے مجھے اس آخری دور کا ناطق، حکیم، قائد اور زعیم بنایا (تفہیمات)

☆ میرے ذہن میں ڈالا گیا کہ میں لوگوں تک یہ حقیقت پہونچا دوں کہ یہ زمانہ تیرا زمانہ ہے اور یہ وقت تیرا وقت ہے، افسوس اس پر جو تیرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو۔ (ایضاً)

☆ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں قائم الزمان ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ جب خیر کے کسی نظام کا ارادہ فرماتے ہیں، تو اپنے اس ارادہ کی تکمیل کے لیے مجھے آلۂ کار بناتے ہیں۔ (فیوض الحرمین)

☆ حق تعالیٰ کا عظیم ترین انعام اس بندۂ ضعیف پر یہ ہے کہ اس کو خلعت فاتحیہ بخشا گیا ہے، اور اس آخری دور کا افتتاح اس سے کرایا گیا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

☆ خداوند تعالیٰ نے ایک وقت میں میرے قلب میں میزان پیدا کر دی، جس کی وجہ سے میں ہر اس اختلاف کا سبب جان لیتا ہوں جو امت محمد یہ میں واقع ہوا، اور اس کو بھی پہچان لیتا ہوں جو خدا اور اس کے رسول کے نزدیک حق ہے، اور خدا نے مجھے یہ بھی قدرت دی ہے کہ امر حق کو دلائل عقلیہ و نقلیہ سے اس طرح ثابت کر دوں کہ اس میں کسی قسم کا شبہ اور اشکال باقی نہ رہے۔ (ایضاً، بحوالہ فکر المصلین ص ۵۹)

ظاہر ہے کہ اتنی صاف گوئی اور حقیقت پسندی کے باوجود شاہ صاحب کا اپنے بارے میں اس فقیہانہ منصب کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرنا بلا وجہ نہیں ہے، اور واقعہ بھی ایسا ہی لگتا ہے کہ شاہ صاحب بہت کچھ تھے، وہ سب کچھ جس کا انھوں نے تحریرات میں ذکر کیا ہے، مگر خدمات اور ان کے نتائج کی روشنی میں مجتہد منتسب نہیں تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ شاہ صاحب سے ایک نئے علمی دور کا آغاز ہوا، نئی اسابیات وجود میں آئیں، نئی زبان اور نئی فکر تشکیل پائی، انھوں نے نئے عقلی دور کے مطابق کلام کیا، اور پوری ایک تاریخ اور ایک عہد کو جنم دیا، سب ہی کو اس کا اعتراف ہے، مگر وہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شاہ صاحب نے کسی خاص کتب فقہی کی بنیاد نہیں رکھی، نہ کسی امام کے اصول فقہیہ کو نیا رنگ و آہنگ دیا، اور نہ فقہی جزئیات و مسائل سے زیادہ تفصیلی طور پر بحث کی، انھوں نے تمام علوم و اصل زندگی کی طرح اس باب کے بھی صرف ان حصوں پر انگلی رکھی جہاں کمزوری کا احساس ہوا، اور اپنی قوت تجدید سے اس کی اصلاح کی کوشش کی، یہی وجہ ہے کہ ان کی فقہی آرا کو وہ قبول عام حاصل نہیں ہوا، جو ان کی انقلابی اور تجدیدی فکر کو ہوا، بلکہ فقہی طور پر ان کی شخصیت یک گونہ غیر واضح سی ہو کر رہ گئی، اگر وہ کسی مذہب کے مجتہد منتسب ہوتے تو ان کا فقہی رجحان بھی بہت واضح ہوتا، اور ان کی تحریرات و تصنیفات کا کوئی ایک رخ متعین ہوتا۔

حنفیت و شافعیت کی تخصیص کا جائزہ

علاوہ ازیں اگر ان کی مذکورہ شان اجتہاد کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا انتساب کس مذہب کی طرف کیا جائے یہ طے کرنا بھی آسان نہیں ہے، الفرقان پر کام کرنے والی جماعت علما، کا خیال ہے کہ یہ انتساب ایک مذہب کی طرف کرنے کے بجائے مذہب حنفی اور مذہب شافعی دونوں کی

طرف کیا جائے۔ (المسوی ص ۸)

ان دونوں مذاہب کی تخصیص کی بنیاد غالباً بخاری شریف کا وہ قلمی نسخہ ہے، جو خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ شاہ صاحب کے درس میں رہا ہے۔ اس میں آپ کے تلمیذ محمد بن پیر محمد بن شیخ ابوالفتح نے پڑھا ہے۔ تلمیذ موصوف نے درس بخاری کے ختم کی تاریخ ۶ رشوال ۱۱۵۹ھ لکھی ہے، اور جمنا کے قریب جامع فیروزی میں ختم ہونا لکھا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنے دست مبارک سے اپنی سند امام بخاری تک تحریر فرما کر تلمیذ مذکور کے لیے سند اجازت لکھی ہے، اور آخر میں اپنے نام کے ساتھ یہ کلمات تحریر فرمائے:

"العمری نسباً، الدهلوی وطناً، الاشعری عقیدةً، الصوفی طریقةً، الحنفی عملاً والشافعی تدریساً، خادم التفسیر والحدیث والفقه والعربیة والکلام، ۲۳ رشوال ۱۱۵۹ھ"
(بحوالہ ظفر المحصلین، ص ۶۳)

اس تحریر کے نیچے شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی نے یہ عبارت لکھی ہے کہ بیشک یہ تحریر بالا میرے والد محترم کے قلم کی لکھی ہوئی ہے، نیز شاہ عالم کی مہر بھی بطور تصدیق ثبت ہے۔

بلاشبہ یہ ایک مضبوط بنیاد ہے جس سے شاہ صاحب کا رجحان مذہب حنفی و شافعی کی طرف ثابت ہوتا ہے مگر اس کے علاوہ بعض کئی چیزیں ایسی بھی ہیں جن سے شاہ صاحب کا رجحان دوسرے مذاہب کی طرف محسوس ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل کی طرف میلان

مثلاً شاہ صاحب جس خاص مشرب فقہی کے وکیل اور علمبردار نظر آتے ہیں وہ ہے "جمع بین الحدیث والفقه" جو شاہ صاحب کے نزدیک محققین فقہاء محدثین کا طریقہ رہا ہے، متعدد تذکرہ نگاروں نے شاہ صاحب کے اس مشرب کا ذکر کیا ہے، اگر یہ درست ہے اور بلاشبہ درست ہے تو اس لحاظ سے شاہ صاحب امام احمد بن حنبل کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔

"حجۃ اللہ البالغہ" کا "باب الفرق بین اہل الحدیث واصحاب الرائے" شروع سے آخر تک پڑھ جائیے، شاہ صاحب کا صریح رجحان "اہل الحدیث" کی طرف محسوس ہوگا، مگر "اہل الحدیث" سے مراد نہ غیر مقلدین ہیں اور نہ نرے محدثین، بلکہ "اہل الحدیث" سے مراد شاہ صاحب کے نزدیک محدثین فقہاء ہیں، جو فقہ کی بنیاد ترجیحی طور پر احادیث و آثار پر رکھتے ہیں، اور فقہی مجتہدات

اور اصول فقہ کو ثانوی درجہ دیتے ہیں، یہ قیاس یا اجماع کے منکر نہیں ہیں، لیکن احادیث و آثار پر زیادہ زور صرف کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک اس طبقہ کے سرخیل اور پوری جماعت میں سب سے عظیم المرتبت امام احمد بن حنبل ہیں، لکھتے ہیں:

وبالجملة فلما مهدوا الفقه على هذه القواعد فلم تكن مسئلة من المسائل التى تكلم فيها من قبلهم والتى وقعت فى زمانهم الا وجدوا فيها حديثاً مرفوعاً متصلاً او مرسلاً او موقوفاً صحيحًا او حسناً او صالحاً للاعتبار او وجدوا اثراً من آثار الشيخين او سائر الخلفاء وقضاة الامصار وفقهاء البلدان او استنباطاً من عموم او ايماء او اقتضاء فيسّر الله لهم العمل بالسنة على هذا الوجه وكان اعظمهم شأناً و اوسعهم رواية واعرفهم للحديث مرتبة واعمقهم احمد بن محمد بن حنبل ثم اسحق بن راهويه (حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۱۵۰)

ترجمہ: خلاصہ یہ کہ جب ان حضرات نے فقہ کی بنیاد ان قواعد پر رکھی تو کوئی مسئلہ ایسا نہیں تھا جو ان کے دور میں پیش آیا ہو یا ان سے قبل زیر بحث رہا ہو مگر اس کے لیے کوئی مرفوع متصل یا مرسل، یا موقوف حدیث ضرور ان کے پیش نظر ہوتی، وہ صحیح ہو یا حسن، یا کم از کم لائق اعتبار ہو، حدیث نہ ملنے کی صورت میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاروق اعظم یا دیگر خلفاء یا قضاۃ، یا فقہاء کا کوئی اثر تلاش کرتے یا کم از کم کوئی فقہی استنباط (عموم نص، یا اشارۃ النص، یا اقتضاء النص کی روشنی میں) ہی ڈھونڈ ھتے، اس طرح اللہ نے ان کے لیے عمل بالسنۃ کو آسان کر دیا، اس طبقہ کے سب سے عظیم المرتبت، وسیع العلم، عالم حدیث، اور فقہی طور پر گہرے امام احمد بن حنبل ہیں، ان کے بعد امام اسحٰق بن راہویہ کا درجہ ہے۔

امام مالک کی طرف میلان

مصفّٰی شرح مؤطا کا مقدمہ پڑھیے تو شاہ صاحب امام مالک کی طرف مائل نظر آتے ہیں:
اس مقدمہ کی روشنی میں شاہ صاحب کے نزدیک اجتہاد کا دروازہ بغیر مؤطا کی کلید کے نہیں کھل سکتا، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "میں اس میدان میں ایک طویل عرصہ تک حیران و پریشان رہا، اور راہ اعتدال کا متلاشی رہا، اس کے لیے میں نے بہتوں سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی، پھر میں نے اللہ سے فریاد کی، کہ اے پروردگار اگر آپ مجھے ہدایت نہ دیں گے تو میں گمراہ ہو جاؤں،

گا، میں پوری یکسوئی کے ساتھ خالق کائنات کی طرف متوجہ ہوا، تو اللہ نے بذریعۂ الہام میری رہنمائی امام ہمام، حجۃ الاسلام امام مالک بن انس کی شاہکار کتاب ''موطا'' کی طرف فرمائی، اور اس طرح میرے دل کو قرار حاصل ہوا...... موطا کے مطالعہ کے بعد مجھے شرح صدر اور یقین ہو گیا کہ موطا روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب ہے۔ اسی طرح مجھے یہ اطمینان بھی حاصل ہوا کہ آج کے دور میں فقہ و اجتہاد کا راستہ صرف اسی شخص کے لیے کھل سکتا ہے جو موطا کو اپنے پیش نظر رکھے، اور اس کے مراسیل اور صحابہ و تابعین کے اقوال کے مآخذ پر غور کرے، پھر الفاظ کے مفاہیم کی تعیین اور دلائل کی تطبیق وغیرہ فقہا، مجتہدین کا طریق اختیار کرے۔ نیز امام شافعی کے تعقبات کو بھی سمجھنے کی کوشش کرے۔ (ص ۲۹،۳۰)

خود امام شافعی کے بارے میں بھی شاہ صاحب کا خیال یہ ہے کہ انھوں نے اپنے مذہب کی بنیاد موطا پر رکھی ہے، ''الانصاف'' میں تحریر فرماتے ہیں:

فمن مادة مذهبه كتاب الموطأ وهو وان كان متقدماً على الشافعي فان الشافعي بنى عليه مذهبه. (ص ۲۵)

ترجمہ: ان کے مذہب کے مادہ میں موطا شامل ہے، موطا اگرچہ امام شافعی سے پہلے لکھی گئی، مگر انھوں نے اپنے مذہب کی بنیاد اس پر رکھی۔

زیادہ معتدل نقطۂ نظر

اس لیے شاہ صاحب کی کسی ایک تحریر کو بظاہر دیکھ کر ان کے مسلک کا فیصلہ کر دینا مناسب نہیں، شاہ صاحب کی پوری عملی زندگی، ان کے تجدیدی افکار و خیالات اور ان کی تصنیفات کی مختلف عبارتوں کو سامنے رکھتے ہوئے زیادہ معتدل رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاہ صاحب اصلاً مسلک حنفی کے مقلد تھے، البتہ دیگر بہت سے ابواب کی طرح اس باب میں بھی آپ نے تجدیدی خدمات انجام دی ہیں، شاہ صاحب کے عہد کے حالات پر نظر ڈالنے سے مذہب حنفی کے مقلدین کے یہاں جو عملی یا فکری بے اعتدالیاں محسوس ہوتی ہیں، ان کا تقاضا تھا کہ کوئی مجدد پیدا ہو، اور ان بے اعتدالیوں کو دور کرے، شاہ صاحب اپنے دور کے بلاشبہ ایک عظیم مجدد تھے۔ انھوں نے زندگی کے تقریباً تمام ہی ضروری ابواب پر نظر ڈالی، اور اپنی قوت فکر اور عمل تجدید سے ان کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کی کوشش کی۔ شاہ صاحب کے دور میں جو جمود، تعصب، تنگ نظری اور غالیانہ

تصورات پیدا ہو گئے تھے، ان کی بنا پر دیگر مذاہب کے مطالعہ وتحقیق بلکہ احترام کی روایت بھی انحتی جاری رہی تھی، لوگ مذہب حنفی کے مقلد تھے مگر اندھے مقلد، ان کو تقلیدی بصیرت، یا بصیرت مندانہ تقلید حاصل نہ تھی، شاہ صاحب نے اپنی کئی تحریرات اور پیغامات میں اس تعلق سے اپنے کرب کا اظہار کیا ہے، اور مذہب حنفی کے پیروکاروں کو مؤثر انداز میں متوجہ کیا ہے۔ شاہ صاحب نے محسوس کیا کہ اس جمود اور تنگ نظری کا سبب مطالعہ وتحقیق اور وسعت نظری کی کمی ہے۔ اگر اہل علم تمام مذاہب فقہیہ کا منصفانہ مطالعہ کریں اور ان کے بنیادی ماخذ تک پہونچنے کی کوشش کریں، تو مذاہب کے درمیان اس درجہ تفریق وامتیاز کا جو احساس پایا جاتا ہے اس میں کمی آئے، اور اسلاف باہم فکری ونظری اختلافات کے باوجود جس رواداری اور اکرام واحترام کا مظاہرہ فرماتے تھے، وہ روایت دوبارہ قائم ہو، شاہ صاحب نے اسی بنیاد پر فقہ وحدیث کا تطبیقی اور دیگر مذاہب کا تقابلی مطالعہ شروع کیا، تاکہ ایک طرف فقہ حنفی کے بنیادی ماخذ تک لوگوں کی نگاہ پہونچے، اور علماء فقہی روایات کو قرآن، حدیث اور آثار کی روشنی میں بصیرت مندانہ طور پر سمجھنے کی کوشش کریں، دوسری طرف دیگر مذاہب کے بارے میں جو ذہنی بُعد پایا جاتا ہے وہ دور ہو، کہ یہ تمام مذاہب جب حق ہیں، تو ان کے درمیان بیجا حساسیت مناسب نہیں۔

مذاہب کے مطالعہ کا ایک دوسرا فائدہ یہ ہے کہ فقہاء کے اختلافات کی اصلیت سمجھنے میں علماء کو مدد ملے، اور یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکے کہ یہ اختلاف ہمارے آپس کے اختلاف جیسا نہیں تھا، بلکہ ان کا اختلاف علم اور اخلاص پر مبنی تھا، اور یہ تمام اکابر فردی طور پر مختلف ہونے کے باوجود بنیادی طور پر باہم متفق تھے۔

نیز اس سے اس تاریخی حقیقت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ بعد کے ادوار میں مذاہب اربعہ ہی کی تقلید کی خاص وجہ کیا ہوئی؟ اور ان کے ماسوا دیگر مذاہب کی تقلید کیوں جاری نہ رہ سکی؟ اس طرح شاہ صاحب نے ایک بصیرت مند محقق کی طرح مذاہب فقہیہ پر نظر ڈالی، یہ شاہ صاحب کا وہ عظیم کارنامہ ہے جس کی مثال کم از کم اس دور میں نہیں ملتی۔ شاہ صاحب کا یہ کارنامہ بڑے دوررس اثرات کا حامل تھا، اگر شاہ صاحب اتنے تعمق اور توسع سے کام نہ لیتے تو فقہی روایات واقوال کی شرعی حیثیت میں جس درجہ غلو برتا جارہا تھا قدرتی طور پر کسی ردعمل کے نتیجے میں پورا فقہی ذخیرہ بحیثیت مذہب اور قانون رد کر دیا جاتا، اس لیے کہ جن روایات واقوال کی اصلیت معلوم نہ ہو، اور قرآن وحدیث کے سرچشموں سے جو پوری طرح مربوط نہ ہوں تو محض ائمہ اور اسلاف کے نام پر

ان کی روایتی حیثیت بہت زیادہ دنوں تک باقی نہیں رکھی جا سکتی تھی۔

شاہ صاحب نے بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ ائمہ دراصل شارحین دین اسلام ہیں، اور ہم ان کی تقلید اسی حیثیت سے کرتے ہیں کہ یہ دین کی صحیح تشریح کرتے ہیں۔ ہم نہ ان کو صاحب شریعت یا صاحب وحی سمجھتے ہیں اور نہ ان کے بارے میں یہ تصور رکھتے ہیں کہ یہ معصوم ہیں اور ان سے غلطی کا امکان نہیں۔ یہ وہ بنیادی فکری اصلاحات ہیں جن پر شاہ صاحب نے پوری قوت کے ساتھ توجہ دی، اس کو بعض متعصب مقلدین نے عدم تقلید قرار دیا۔ کسی نے مذہب سے بغاوت یا خروج کا نام دیا۔ حالانکہ شاہ صاحب کی ان اصلاحات سے مذہب حنفی کو بالخصوص اور دیگر مذاہب کے مقلدین کو بالعموم جو فائدہ پہونچا وہ بڑے بڑے نام نہاد مقلدین سے بھی نہیں پہونچا، شاہ صاحب نے مذہب حنفی کی خدمت بصیرت کے ساتھ کی، جس کے بڑے دور رس نتائج سامنے آئے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی یہ تحریر بڑی بصیرت افروز اور بنی برحقیقت ہے، لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے مجددانہ کارناموں میں ایک کارنامہ اور خدمت حدیث اور انتصار للسنۃ ہی کے سلسلۂ زریں کی ایک اہم کڑی ان کی فقہ وحدیث میں تطبیق کی اور پھر مذاہب اربعہ میں جمع وتالیف کی کوشش تھی، اسی سے اس بشارت نبوی کی تصدیق ہوتی ہے جس میں کہا گیا تھا کہ "تم سے خدا اس امت کے شیرازہ بندی کے ایک خاص نوع کا کام لے گا"۔ ......

جہاں تک ہندوستان کے تحتی براعظم کا تعلق ہے اس میں اس طرز فکر اور جمع وتطبیق کی اس کوشش کا سراغ نہیں ملتا، اور اس کے تاریخی وعلمی اسباب ہیں' یہ تحتی براعظم شروع سے ان فاتحین اور بانیان سلطنت کے زیر نگیں رہا، جو یا ترکی النسل تھے یا افغانی النسل اور یہ دونوں قومیں تقریباً اپنے اسلام قبول کرنے کے زمانے سے مذہب حنفی کی حلقہ بگوش بلکہ اس کی حمایت اور نشر واشاعت میں سرگرم اور پر جوش رہیں، یہاں اسلام کی تقریباً آٹھ سو سال کی تاریخ میں مذہب مالکی اور مذہب حنبلی کو تو قدم بھی رکھنے کا موقع نہیں ملا، شافعی مسلک سواحل تک محدود رہا، یا جنوبی ہند، مدراس اور شمالی کنارے (موجودہ کرناٹک) کے بعض حصوں بھٹکل وغیرہ اور کیرالا میں محدود رہا۔ ان میں بھی مالابار (قدیم بلاد المعبر) کو مستثنیٰ کرکے جہاں زیادہ تر شافعی مسلک کے داعیان اسلام، تجار، مشائخ اور فقیہ وعالم آئے، شیخ مخدوم فقیہ علی مہائمی (م ۸۳۵ھ) صاحب تفسیر تبصیر الرحمان اور تیسیر المنان، اور مالابار کے شیخ مخدوم اسماعیل فقیہ السکری الصدیقی (م ۹۳۹ھ) نیز

مخدوم شیخ زین الدین ملیباری (م ۹۲۸ھ) صاحب فتح المعین کے علاوہ ہمارے محدود علم میں اس پایہ کے شافعی فقیہ و محدث نہیں پیدا ہوئے ...... جو ہندوستان (بالخصوص شمالی ہند کے) علمی حلقوں پر گہرا اثر ڈالتے اور علماء حنفیہ کو فقہ شافعی پر عمیق نظر ڈالتے اور اس سے استفادہ پر آمادہ کرتے، ہندوستان سے جو علماء اور طالبان علم حدیث و فقہ حجاز جاتے (جو ترکی سلطنت کے زیر انتظام تھا اور ترک ہر دور میں سو فیصدی سنی اور حنفی رہے ہیں) وہ بھی زیادہ تر اپنے ہی مذہب کے علماء اور خصوصیت کے ساتھ اپنے ہم وطن اساتذۂ فقہ و حدیث سے رابطہ رکھتے، جو وہاں ہندوستان یا افغانستان سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور ان کے شاگردوں کا بڑا حلقہ تھا (مثلاً علامہ شیخ علی متقی برہان پوری صاحب کنز العمال، علامہ قطب الدین نہر والی، ملا علی قاری ہروی مکی، شیخ عبدالوہاب متقی اور شیخ محمد حیات سندی وغیرہ)

ان تمام اسباب کی بنا پر شاہ صاحب کو فقہ شافعی کے اصول و قواعد، اس کی خصوصیات اور بعض مابہ الامتیاز چیزوں سے واقف ہونے کا پورا موقع ملا، اور اسی طرح فقہ مالکی اور فقہ حنبلی سے بھی باخبر ہونے کا وہ موقعہ ملا، جو علماء ہندوستان کو طویل عرصہ سے (تاریخی، جغرافیائی، سیاسی اور تمدنی اسباب کی بنا پر) میسر نہیں آیا تھا، اور اس طرح مذاہب اربعہ کا تقابلی مطالعہ (الفقہ المقارن) ان کے لیے ممکن اور آسان ہوا، جو ان علماء کے لیے دشوار تھا، جن کو یہ مواقع حاصل نہیں ہوئے تھے۔

(تاریخ دعوت و عزیمت، ج ۵، ص ۱۹۸-۲۰۰)

اس موضوع پر حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے ''تذکرۂ حضرت شاہ ولی اللہ'' میں بڑا مبصرانہ کلام فرمایا ہے اور میرے خیال میں ان کے بعد کے اکثر انصاف پسند مصنفین نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ مولانا گیلانیؒ نے عنوان قائم کیا ہے ''حضرت مجدد اعظم کی زندگی اور ان کے فکر و نظر کی تشریح و توضیح'' اس عنوان کے تحت ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''اس میں شک نہیں کہ پچھلی صدیوں میں بعض خاص حالات خصوصاً اسلام کے اصلی سرچشموں یعنی قرآن و حدیث کی تعلیم سے اسلامی مدارس جس حد تک بیگانے ہوتے چلے گئے بتدریج یہ اختلاف بہت غلط صورت اختیار کرتا چلا جاتا تھا، خصوصاً ماوراء النہر (ترکستان و خراسان) کے حنفی فقہاء کا غلو اس باب میں آہستہ آہستہ بہت آگے بڑھ گیا تھا اور ہندوستان میں وطن بنانے کے لیے اسلام جس راستہ سے آیا چونکہ وہ انہی ممالک کا راستہ تھا اس لیے قدرتاً ہندوستانی مسلمانوں کی ذہنیت انہی ممالک کے علماء کی ذہنیت سے متاثر تھی۔

پھر جیسا کہ میں نے عرض کیا نادری اور ابدالی حملوں نے جب اس ملک میں روہیلوں کے جدید عنصر کا اضافہ کر دیا، تو تشدد و تصلب کی یہ شرارت دو آتشہ ہو چکی تھی......

شاہ صاحب نے بڑی دانشمندی اور گہرے مطالعہ کے بعد فقہ اور اصول فقہ کی بنیادوں سے پردہ ہٹایا، ائمہ مجتہدین اور ان کے اجتہادات کا صحیح مقام تھا، اسے واضح فرمایا۔ بعضوں کو تو شاہ صاحب سے شکایت ہے کہ ہندوستان میں غیر مقلدیت کی ابتداء آپ ہی سے ہوئی، اور خود غیر مقلدوں کا طبقہ اس باب میں گونہ آپ کو اپنا پیشوا مانتا ہے، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اگر امت یا کم از کم ہندی مسلمانوں کے ہاتھ میں اس وقت وہ معلومات نہ ہوتیں، جنہیں شاہ ولی اللہ کی عرق ریزیوں نے وقف عام کیا ہے، تو سرزمین نجد اور نجد سے آگے بڑھ کر حجاز میں جو تحریک "وہابیت" کے نام سے چل پڑی تھی اور یورپ والوں نے اپنے خاص اغراض کے تحت اس تحریک اور اس تحریک کے چلانے والوں کو مختلف طریقوں سے اچھالنا شروع کیا تھا"

واقعہ یہ ہے کہ غلامی کے ان دنوں میں جن میں ایسے کم ہیں جو اپنی زبان سے اپنی بات ادا کرتے ہوں، اور اپنے دماغ سے اپنے خیالات سوچتے ہوں، مشکل ہی سے غلام ہندوستان میں اس وقت کوئی حنفی نظر آتا، اس میں شک نہیں کہ اندرونی طور پر مغربی دجل و کید نے جو دام بچھایا تھا، اور ذم کی صورتوں میں اس تحریک کی مدح کا جو گیت مختلف لجوں میں گایا جاتا تھا، جس کا افسانہ طویل ہے، اس میں کچھ بچارے سادہ لوح ابتداء میں پھنس گئے، لیکن اہل علم کو معلوم ہے کہ شاہ ولی اللہ کے تحقیقی طرز عمل نے اس تحریک کو ہندوستان میں زیادہ پھیلنے پھولنے نہیں دیا۔

"ولی اللّٰہی" کتب فکر کے علماء کی کوششوں کا آج یہ نتیجہ ہے کہ "نسیء من صدر قلیل" کے سوا اب عمل بالحدیث کے مدعیوں کی آبادیاں اپنے اندر اور کچھ نہیں رکھتیں۔

اس سلسلے میں حضرت کی کتابیں "الانصاف" "عقد الجید" "حجۃ اللہ البالغۃ" کے بعض ابواب "تفہیمات الٰہیہ" کے بعض تفہیمات، ازالۃ الخفاء کی بعض مخفی چیزیں، اور سب سے زیادہ مؤطا کی شرحوں نے حدیث فہمی کا جو معیار پیش کیا ہے، اور فقہ وحدیث میں تطبیق کی جو راہیں اشاروں اشاروں میں شاہ صاحب نے اہل فہم کے سامنے کھولی ہیں، یہی بات یہ ہے کہ آج حقیت "علی بصیرۃ من ربہ" انہی بنیادوں پر قائم ہے۔

ایک بڑی دانشمندی شاہ صاحب نے یہ بھی فرمائی کہ حنفی فقہ کے ساتھ ساتھ آپ نے درسی طور پر شافعی فقہ کے مطالبہ کو بھی ضروری قرار دیا، اپنے مسلک کی تشریح میں ایک موقعہ پر اپنے کو

''الشافعی درساً'' جوفرمایا ہے اس کا یہی مطلب ہے، جو جانتے ہیں کہ فقہ حنفی اور فقہ مالکی کی حیثیت اسلامی قوانین کے سلسلے میں تعمیری فقہ کی ہے، اور شافعی وحنبلی فقہ کی زیادہ تر نوعیت ایک تنقیدی فقہ کی ہے، حنفیوں کی فقہ کو مشرق میں اور مالکیوں کی فقہ کو مغرب میں چونکہ عموماً حکومتوں کے دستور العمل کی حیثیت سے تقریباً ہزار سال سے زیادہ مدت تک استعمال کیا گیا، اس لیے قدرتاً ان دونوں مکاتب خیال کے علماء کی توجہ زیادہ تر جدید حوادث وجزئیات وتفریعات کے ادھیڑ بن میں مشغول رہی، بخلاف شوافع اور حنابلہ کے کہ بہ نسبت حکومت کے ان کا تعلق زیادہ تر تعلیم وتعلم، درس وتدریس اور تالیف وتصنیف سے رہا، اس لیے عموماً تحقیق وتنقید کا وقت ان کو زیادہ ملتا رہا، بہر حال یہ افسانہ تو دراز ہے، مجھے کہنا یہ ہے کہ فقہ اور اسلامی قوانین کا تعلق ان کے سرچشموں یعنی کتاب وسنت سے ہے۔ جو چاہتے ہیں کہ یہ تعلق مسلسل زیادہ تر وتازہ حالت میں رہے۔ ان کے لیے شاہ صاحب کا یہ طریقہ عمل کہ شوافع اور حنابلہ کی فقہ اور ان کے ادبیات کا بھی مطالعہ جاری رکھیں، یہ بہت کچھ مفید ثابت ہوسکتا ہے، یا کم از کم حدیث کے درس میں خصوصیت کے ساتھ فقہاء امصار کے خلافیات اور ان کے وجوہ ودلائل کے بیان کرنے سے مسائل فقہ میں زندگی باقی رہتی ہے۔ ہر مذہب کا پیرو ان علل واسباب سے واقف رہتا ہے جن کی روشنی میں اس کے امام نے اپنی رائے قائم فرمائی ہے۔ نیز چونکہ اس کے ساتھ دوسرے ائمہ مجتہدین کے دلائل ووجوہ بھی سامنے آتے رہتے ہیں۔ اسی لیے قدرتی طور پر جاہلی حمیت کا زہر ان میں پیدا نہیں ہونے پاتا۔ عقدالجید میں شاہ صاحب نے ائمہ مجتہدین کے قیاسی نتائج کے متعلق بجائے اس نظریہ کے کہ حق ان میں سے ایک ہی ہوسکتا ہے۔ اس خیال کو جو ترجیح دی کہ سب ہی حق پر ہیں، تو فروعی اختلافات کی اہمیت کے سارے قصہ ہی کو ختم فرمادیا ہے۔ اس باب میں شاہ صاحب کے مباحث قابل دید ہیں......

تصوف کے متعلق بھی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سب سے پہلے ہندوستان میں اس کے خلاف شاہ ولی اللہ ہی نے قلم بغاوت اٹھایا، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، آج جب کہ یورپ تحقیق وریسرچ کے نام سے اسلامی چیزوں کو غیروں کی طرف شاطرانہ چابک دستیوں سے منسوب کرنے میں منہمک ہے، اگر شاہ ولی اللہ کی تحقیقی کتابیں اس وقت ہمارے پاس نہ ہوتیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس دجالی ہنگامہ میں تصوف کا اسلام سے دور کا بھی رشتہ باقی رہ سکتا تھا؟ (تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ، ص: ۲۳۴، ۲۳۵)

فقہی میدان میں تجدیدی خدمات

غرض شاہ صاحب اپنے عہد کے مجدد اعظم تھے، اور انھوں نے علم و عمل کے بہت سے ابواب کی طرح فقہ اور اصحاب فقہ کو بھی اپنا ہدف تجدید بنایا، رہا یہ کہ فقہ پر غیر معمولی کام دائرۂ تجدید میں داخل ہوگا یا دائرۂ اجتہاد میں؟ --- تو ظاہر ہے کہ جب تک انسان میں اجتہادی صلاحیت نہ ہو فقہ پر غیر معمولی عمل تجدید کرہی نہیں سکتا، شاہ صاحب جزوی طور پر بہت سے مسائل میں اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ اور اللہ نے ان کو اس صلاحیت سے نوازا تھا، اور جس عہد میں وہ پیدا ہوئے تھے اس عہد میں ان کے سوا کوئی نہیں تھا جو فقہ و حدیث پر اتنا عظیم الشان کام انجام دے سکے بعض مرتبہ شاہ صاحب کی طبیعت (ان کی بے پناہ صلاحیت کی بنا پر) تقلید سے ابا بھی کرتی تھی لیکن اشارۂ غیبی ان کو تقلید پر مجبور کرتا تھا، اور اس عہد کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ مجتہد بن کر نہیں بلکہ مقلد بن کر کام کریں، اور جس شخص کو اجتہادی قوت رکھنے کے باوجود بحیثیت مجتہد کام نہ کرنے دیا جائے، بلکہ کسی مذہب کے دائرے میں رہ کر کام کرنے کی تاکید کی جائے، اس کی خدمات کو بلاشبہ تجدیدی خدمات ہی کہا جائے گا نہ کہ اجتہادی خدمات۔

فقہی میدان میں تجدید کا تصور خود شاہ صاحب کے یہاں بھی ملتا ہے، ''الانصاف'' میں مسلک حنبلی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلک حنبلی کی ابتدائی صدیوں میں مجتہدین بکثرت پیدا ہوئے، بلکہ امام احمد کے اکثر اصحاب مجتہد مطلق کے مقام پر فائز تھے، اور ان میں کوئی ایسا نہیں تھا جو تمامتر مجتہدات میں امام احمد کا مقلد ہو، بعد کی صدیوں میں ابن سریج پیدا ہوئے اور انھوں نے مسلک حنبلی کے مطابق تقلید و تخریج کے قواعد و اصول مقرر کیے، پھر اکثر حنابلہ اسی راہ پر چل پڑے، ابن سریج کو ان کی غیر معمولی انقلابی خدمات کی بنا پر مجددین حنابلہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

حتیٰ نشأ ابن سریج فاسس قواعد التقلید والتخریج ثم جاء اصحابه یمشون فی سبیله و ینسحون علیٰ منواله ولذلك یعدّ من المجددین علیٰ رأس المأتین والله اعلم (الانصاف ص: ۲۴ مطبوعہ ترکی)

شاہ صاحب فقہ حنفی کے مجدد

اسی طرح شاہ صاحب خود اپنی اصطلاح کے مطابق اپنے عہد میں فقہاء حنفیہ کے مجدد تھے۔

ان کی انقلابی خدمات نے حنفیہ کو جو فائدہ پہنچایا اور اس مذہب کے فقہاء و علماء میں جو فقیہانہ بصیرت، وقتِ نظر اور وسعتِ مطالعہ پیدا ہوئی، اس کے پیشِ نظر شاہ صاحب بجا طور پر فقہ حنفی کے مجدد تھے، شاہ صاحب نے اپنی تحریرات میں کہیں تقلید سے خارج ہو کر کوئی بات نہیں کہی ہے، ان کے یہاں توسع ضرور ہے، مسلک حنفی کے بعض مسائل میں بصیرت مندانہ اختلاف بھی پایا جاتا ہے، مگر ایسا کہیں نہیں ہے کہ وہ اپنی کسی تحقیق میں دائرۂ تقلید ہی سے نکل گئے ہوں، اور ائمہ اربعہ میں سے کسی کے قول کو قابلِ اعتناء نہ سمجھا ہو۔

شاہ صاحب کو فقہ حنفی کی تقلید کا غیبی اشارہ:

شاہ صاحب جس عبقری شان اور اجتہادی صلاحیت کے مالک تھے، اس کے پیشِ نظر ممکن تھا کہ وہ تقلید سے آزاد ہو کر کام کرتے، لیکن اشارۂ غیبی اور الہام ربانی نے ان کو ہمیشہ اس سے باز رکھا۔

فیوض الحرمین میں شاہ صاحب نے بڑی وضاحت کے ساتھ اپنی اس اندرونی کشمکش کا اظہار کیا ہے اور پھر اشارۂ غیبی کی روشنی میں وہ جس نتیجہ پر پہنچے اس کا تذکرہ کیا ہے، فرماتے ہیں:

استفدت منه صلى الله عليه وسلم ثلثة امور خلاف ما كان عندى و ما كانت طبعى تميل اليه اشد ميل فصارت هذه الاستفادة من براهين الحق تعالىٰ على احدها الوصاة بترك الالتفات الى التسبب و ثانيها الوصاة بالتقليد بهذه المذاهب الاربع لا اخرج منها والتوفيق ما استطعت وجبلتى تابى التقليد وتأنف منه رأساً و لكن شيء طلب منى التعبد به بخلاف نفسى وههُنا نكتة طويت ذكرها وقد تفطنت بسّر هذه الحيلة وهذه الوصاة (فیوض الحرمین)

ترجمہ: میں نے اپنے عندیہ اور اپنے شدید میلانِ طبع کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین امور میں استفادہ کیا تو یہ استفادہ میرے لیے برہانِ حق بن گیا، ان میں سے ایک تو اس بات کی وصیت تھی کہ میں اسباب کی طرف سے توجہ ہٹالوں، اور دوسری وصیت یہ تھی کہ میں ان مذاہب اربعہ کا اپنے آپ کو پابند کروں اور ان سے نہ نکلوں اور تابہ امکان تطبیق و توفیق کروں، لیکن یہ ایسی چیز تھی جو میری طبیعت کے خلاف مجھ سے بطور تعبد طلب کی گئی تھی اور یہاں ایک نکتہ ہے جسے میں نے ذکر نہیں کیا ہے، اور الحمد للہ مجھے اس حیلہ اور اس وصیت کا راز معلوم ہو گیا ہے۔

پھر جب مذاہب اربعہ کی تحقیق و تفتیش کے بعد ترجیح کا وقت آیا اور اس کی جستجو کے لیے آپ

کی روح مضطرب ہوئی تو دربار رسالت سے اس طور پر رہنمائی کی گئی۔

عرفني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان في المذهب الحنفي طريقة انيقة هي اوفق الطرق بالسنة المعروفة التي جمعت و نقحت في زمان البخاري واصحابه وذلك ان يؤخذ من اقوال الثلثة (اى الامام و صاحبيه) قول اقربهم بها في المسئلة ثم بعد ذلك يتبع اختيارات الفقهاء الحنفيين الذين كانوا من علماء الحديث فربّ شيء سكت عنه الثلثة في الاصول وما يعرضوا نفيه ودلّت الاحاديث عليه فليس بد من اثباته والكل مذهب حنفي (فیوض الحرمین بحوالہ ظفر المحصلین ص: ۶۰، ۶۱)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایک ایسا عمدہ طریق ہے جو دوسرے طریقوں کی بہ نسبت اس سنت مشہورہ کے زیادہ موافق ہے جس کی تدوین اور تنقیح امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانے میں ہوئی اور وہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد میں سے جس کا قول سنت معروفہ سے قریب تر ہو لے لیا جائے پھر اس کے بعد ان فقہاء حنفیہ کی پیروی کی جائے، جو فقیہ ہونے کے ساتھ حدیث کے بھی عالم تھے، کیونکہ بہت سے ایسے مسائل ہیں، کہ ائمہ ثلثہ نے اصول میں ان کے متعلق کچھ نہیں کہا اور نفی بھی نہیں کی لیکن احادیث انہیں بتلا رہی ہیں، تو لازمی طور پر اس کو تسلیم کیا جائے اور یہ سب مذہب حنفی ہی ہے۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ شاہ صاحب مسلکاً حنفی اور ماضی قریب میں حنفیہ کے مجدد تھے، اس لیے آپ کے کاموں کو مجددانہ حیثیت ہی سے دیکھا جانا چاہیے، ان کی تنقیدات بغاوت یا خروج عن التقلید پر نہیں بلکہ اصلاح وتجدید پر مبنی ہیں، انھوں نے جو کچھ کیا پورے اخلاص اور درد کے ساتھ کیا۔ اس میں نہ کسی انتقامی ردعمل کا دخل تھا اور نہ مجتہدانہ ادّعا کا، وہ بلاشبہ ایک مخلص محقق اور بصیرت مند حنفی تھے —— اگر آپ حنفی نہ ہوتے تو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اس کے اثرات آپ کے صاحبزادوں پر پڑتے، مگر شاہ صاحب کے تمام قابل فخر اور یکتائے روزگار صاحبزادے نہ صرف حنفی تھے بلکہ ان حضرات کی ساری زندگی اس مسلک کی خدمت وتحقیق میں گذری، بالخصوص حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے حدیث اور فقہ وفتاویٰ کے میدان میں جو نہج اختیار کیا، اور جو کارنامے انجام دیئے وہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ فجزاهم الله عنا احسن الجزاء۔

☆ ☆ ☆

(بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند مارچ اپریل 2002ء)